eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

CC BY
OPEN ACCESS

غنی خان سے قبل پشتو کا ابتدائی مزاحمتی ادب: تنقیدی جائزہ

The critical study of initial pushto resistance literature, before Ghani Khan

عرفان اللہ، پی ایچ ڈی سکالر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

Irfanullah, Ph.D. Scholar, Dept. of Urdu, Federal Urdu University Karachi

ڈاکٹر یاسمین سلطانہ، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

Dr. Yasmeen Sultana, Asstt. Professor, Dept. of Urdu, Federal Urdu University Karachi

Abstract

The Pashto language is the oldest language, as per critics, it is thousands of years old. Like other great literature, Pashto also starts its poetic Journey from their basic folk traditional common poetry like "Tapa" (two-line stanza). Pashto "Tapa" represents the history of Pashto language as well as Pashto resistance and revolutionary poetry. As we know poetry represents the circumstances and surroundings of a particular era, the History of Pushtoon shows that they had always been in war against the invaders, therefore profound portion of Pashto poetry expresses the element of resistance against such condition, that's why initial poets of Pashto poetry contain these war elements and endurance in their poetry like Ameer Karoor, Malik Yar Georges, Baba Hootak and Khush Hal Khan Khatak. Even though, Rehman Baba who is recognized as a spiritual (Sofia) poet had this element of resistance and revolution in his poetry. For example, he says under a cruel ruler there is no difference in Peshawar, grave and home. After this Abdul Hameed Mashokhail, Kazim Khan Shaida, Ahmed Shah Abdali and Noor Deen

are also acknowledged for their resistance and revolutionary poetry.

Keywords: Pushtoon wali, Mughal Wala, Tapa, Charbeta, Loba, Pathan

کلیدی الفاظ: پشتونولی، مغل والہ، ٹپہ، چاربیتہ، لوبہ، پٹھان

مزاحمتی اور احتجاجی شاعری کی تاریخ کو اگر خود اتنا ہی قدیم قرار دیا جائے جتنا کہ خود شعر وادب تو ہر گز غلط نہ ہو گا۔ اصنافِ ادب بالخصوص شاعری میں اول اول صدائے احتجاج بلند کرنے والے مزاحمت کاروں سے بھلے ہم واقف نہ ہوں لیکن اس میں کوئی دورائے نہیں کہ سماجی ارتقامیں اِس کا آغاز اُس وقت ہوا جب خود انسانی سماج دو باہم متحارب طبقات میں تقسیم ہوا۔ ایک استحصال کرنے والا اور دوسرا استحصال کا شکار۔ چونکہ مزاحمت اور احتجاج مظلوموں اور ان کی نمائندگی کرنے والوں سے مخصوص ہے اور یہی وجہ ہے کہ مزاحمت اور احتجاج کی تمام صورتوں اور ہر قسم کے اظہار کے ساتھ ساتھ شاعری میں بھی اس کی گونج سب سے پہلے ظلم وجبر، غارت گری اور فسطائیت سمیت استحصال کا شکار طبقات کی جانب سے، ان کا درد محسوس کرنے والے شعرا کی جانب سے سنائی دی۔

اردو میں "مزاحمت" بطور اصطلاح مشتق ہے لفظ" مزاحم،، سے جس کے معنی ہیں سدِ راہ، روڑے اٹکانا، خلل انداز ہونا، رخنہ انداز ہونا وغیرہ۔ اس کا انگریزی متبادل "Resistance" ہے جو فرانسیسیاور لاطینیResister"" سے مشتق ہے۔ یعنی اس کے معنی ہیں "اطاعت سے انکار"۔ آکسفورڈ ایڈوانس لغت کے مطابق مزاحمت کسی خیال، کسی تصور یا کسی فیصلے کی مخالفت کا عمل ہے اس مخالفت میں اسے ہونے سے روکنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ علی رفاد فتیحی کے بقول مزاحمت ایک مضبوط اختلاف کا اظہار ہے اس طرح مزاحمت بنیادی طور پر ایک انقلابیسر گرمی ہے۔ اس کے برعکس 'احتجاج' کی اصطلاح میں ایک سے زائد تجربے اور اس کی توانائی کا پہلو شامل ہوتا ہے۔ گویا احتجاج اور مزاحمت کے درمیان بنیادی فرق یہ ہے کہ احتجاج روایتی طور پر منصوبہ بند، منظم، منضبط، شعوری اور اجتماعی ہوتا ہے۔ اجتماعیت اور تکثیریت کی وجہ سے احتجاجی مظاہرہ اس کی مخصوص حکمت عملی بن جاتا ہے۔ دوسری جانب مزاحمت غیر منصوبہ بند، غیر منظم، غیر شعوری انفرادی عمل ہے۔ مزاحمت دراصل مجروح جذبات اور ناانصافیوں کے زیر اثر ظہور پذیر رد عمل ہے۔

کسی بھی زبان کے شعر وادب کے ارتقاء میں خود اس زبان کے اجزائے ترکیبی اوراس کاارتقاء کلیدی حیثیت رکھتاہے۔اس کی چھان پھٹک اس لیے بھی اہمیت کی حامل ہوتی ہے کہ اس کے ذریعے ایک طرف تواس زبان کے بنیادی ماخذوں کا پتالگایا جاتاہے تو دوسری جانب خود اس زبان کے شعر وادب کے آغاز وارتقا کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے جس سے وہ عہد بہ عہد گزری ہے۔

دریائے آمو اور دریائے سندھ کے درمیان ایک مخصوص خطے میں صدیوں سے بسنے والے قبائل کو پشتون کہاجاتاہے جن کی مشترکہ زبان پشتو یاپختو کہلاتی ہے۔جنوب مغرب میں آباد قبائل اسے پشتو جب کہ شمال مشرق کے باسی اسے پختو کہتے ہیں۔ان سارے قبائل کا مخصوص طرزِ زندگانی، فلسفہ واخلاقیات اور آئینِ زندگانی سے لے کر روزمرہ تک کے رویے "پشتونولی" کہلاتا ہے۔ان قبائل کی تہذیب وثقافت کو برصغیر کے باشندوں نے پٹھان، اہلِ ایران نے افغان اور عربوں نے سلیمانی کانام دیا۔

پشتو زبان کی شاعری کے آغاز وارتقاکا جائزہ لیاجائے تواس کے اولین ماخذ کا سراغ پشتو لوک ادب میں ہی دکھائی دیتاہے۔پشتو کے قدیم ٹپے، چاربیتہ ،بدلہ اور غاڑے وغیرہ اس کی بہترین مثالیں ہیں جن میں ٹپہ سرِفہرست ہے۔

پشتو زبان میں حریت پسندی، مزاحمتی اور انقلابی شاعری کی جڑیں اس کے اولین ماخذوں میں بجاطور پر تلاش کی جاسکتی ہیں۔قدیم پشتو ٹپوں سے ایسی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں جو اپنے عہد کی ترقی پسندی، حریت پسندی اور انقلابی ومزاحمتی عناصر کی نشان دہی کرتی ہیں ۔ایک قدیم ٹپے کا مفہوم ہے کہ مین آزادی کی موت پر خوش ہوں غلامی کی زندگی اگر بہت طویل ہوتب بھی میں اس پر لعنت بھیجتاہوں۔

ٹپہ

پشتو کی عوامی شاعری میں ٹپہ جس مقام پر متمکن ہے وہاں اس کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ٹپہ دراصل پشتو زبان کی وہ صنف سخن ہے جسے ہزاروں سال سے پشتون گانوں کی شکل میں گاتے آرہے ہیں۔ان ٹپوں میں موسیقت بلا کی ہوتی ہے البتہ اس کے اوزان شاعری کے دیگر اصناف سے قدرے مختلف ہیں۔عربی اور فارسی بحور کے حساب سے اس کی تقطیع نہیں کی جاسکتی البتہ اسے ہندی کے پنگل یاماترائی چند کے قریب کہاجاسکتاہے۔
پشتو ٹپے سے ایسی کچھ مثالیں درج ذیل ہیں؛

☆ میرا محبوب محاذ جنگ سے فرار ہو گیا ہے

گزشتہ شب کے بوسے پر پچھتا رہی ہوں

☆میری ٹکڑے ٹکڑے لاش کو میری ماں کے سامنے رکھو

تاکہ محلے کی کنواری لڑکیاں میری ماں کو میری بہادری کی مبارک باد دیں

☆اے بزدل مسجد کے غسل خانے سے باہر نکل

قبرستان بہت سے نوجوانوں سے بھر گئے ہیں اور تو چھپنے کی جگہ ڈھونڈ رہا ہے

☆تم بہادری اور شجاعت کا مظاہرہ کیوں نہیں کرو گے ؟

تم نے ایک پشتون ماں کا دودھ پیا ہے

☆وہ نوجوان بہادری کیوں نہیں دکھائے گا

مورچے کی سمت جانے والا راستہ میں نے اس کے ساتھ آدھا طے کیا ہے

اسی طرح اگر ہم پشتو زبان کے پہلے معلوم شاعر امیر کروڑ756ء کی نظم کو دیکھیں تو یہ محض ایک حماسی رنگ ہی نہیں رکھتی بلکہ اس میں انقلابی جذبہ اور مزاحمت بھی نظر آتی ہے ۔امیر کروڑ اپنی نظم میں کہتے ہیں

دشمن کے حق میں قہر ہوں اپنوں پہ مہرباں

واقف ہیں وہ ملی مرے دم سے جنھیں اماں

چھڑکی ہے جن پہ جاں

ثانی مرا نہیں

یعنی وہ دشمن کے حق میں قہر اور غضب اس لیے ہیں کہ اپنوں کو اماں ملے۔وہ اپنے لوگوں پر جان چھڑکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرے لوگ اس امر سے بخوبی واقف ہیں۔اسی لیے میری کوئی نظیر نہیں ہے۔امیر کروڑ کی اس نظم کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس وقت بھی ان کے ہاں روایتی عشقیہ مضامین کی بجائے زندگی کے وہ ٹھوس حقائق پائے جاتے ہیں جس سے وہ پشتونوں کے قومی احساس کی بیداری کا کام لیتے ہیں۔

بیرونی فاتحین کی گزرگاہوں پر آباد پشتونوں کے ادب میں مزاحمتی اور عسکری جذبات کی ایک طویل روایت نظر آتی ہے۔ اس حوالے سے رضا ہمدانی رقمطراز ہیں کہ "سرحد کی مٹی نہ صرف جنگ و ننگ، غیرت و حمیت اور مقصد و مرام کی حرارت کی امین ہے، بلکہ اس کے پس منظر میں فنونِ لطیفہ کا ایک وسیع مرغزار بھی پھیلا ہوا ہے جس پر آرٹ کے لافانی اور زندگی سے بھرپور نقوش مرتسم ہیں۔ یہ ساکت وصاحت تصویریں اپنے گھمبیر سناٹے کی زبان سے اس خطے کی وہ داستانیں دہرا رہی ہیں جو نہ صرف اس کی ثقافت، تمدن، تہذیب اور لیل ونہار زیست کی جزئیات کی نشاندہی کرتی ہیں بلکہ ماضی کے ان لاتعداد گوشوں کے رخ سے نقاب بھی اٹھاتی ہیں جنھیں تاریخ اپنے دامن میں محفوظ نہ رکھ سکی۔ جب کہ مورخ کا یہ فرض شاعر نے ادا کیا ہے اور آج جب ہم ماضی کی راکھ میں دبے ہوئے انگارے تلاش کرتے ہیں تو یہ انگارے شاعر اور فنکار کی کاوش کے وسیلے ہی سے ہم تک پہنچتے ہیں اور یہی گرمی آج کے معاشرے کو حرارتِ نو سے آشنا کراتی ہے۔(۱)

پشتو شاعری کے انقلابی عناصر کے مطالعے میں پشتو کی رزمیہ شاعری اہمیت کی حامل ہے۔ کیوں کہ اس رزمیہ شاعری نے جہاں پشتونوں کی ثقافتی، تہذیبی اور تاریخی شناخت کو محفوظ کیا ہے وہاں یہ پشتونوں کے قومی مزاج اور ثقافتی اقدر کو بھی سموئے ہوئے ہے۔ قاسم یعقوب کے بقول "یہی وجہ ہے کہ پشتو ادب میں پختون روایات کو بغیر کسی تگ ودو کے پہچانا جا سکتا ہے۔ جنگ وجدل صرف قبیلوں کے درمیان ہی نہیں بلکہ دوسری قوموں کی پختون قوم کے ساتھ معرکہ آرائی بھی پشتو رزمیہ شاعری کا محبوب موضوع رہا ہے۔(۲)

پشتو رزمیہ شاعری کی متعدد اقسام ملتی ہیں جنھیں بنیادی طور پر چھ حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱) رثائی رزمیہ داستانیں

یہ داستانیں زیادہ تر حضرت علی، حضرت امام حسین اور واقعہ کربلا کے تناظر میں ہیں۔ جب کہ اسلامی عہد کے پہلے قرن کی داستانیں بھی ان میں شامل ہیں۔

۲) مغل حکمرانوں کے خلاف جنگی مزاحمت کی داستانیں

یہ داستانیں مغل حکمرانوں کی پشتون علاقوں میں غاصبانہ دراندازی کے جواب میں عسکری مزاحمت پر مبنی ہیں۔

۳) انگریزوں کے ساتھ جھڑپوں کی داستانیں

ان داستانوں میں فرنگی استعمار کے خلاف پشتونوں کی قوت اور مزاحمت کو قلم بند کیا گیا ہے۔

۴) رجزیہ گیت

۵) مختلف قبائل کے درمیان ہونے والی جنگوں کا واقعاتی اظہار

۶) مقامی قبائل کے بہادر افراد کے اوصاف پر مبنی رزمیہ شاعری

پشتو شاعری میں کثیر تعداد رزمیہ رجزناموں کی بھی ہے جن میں امیر کروڑ کے رجزیے سے لے کر ملک یار غرشین، باباہوتک اور خوشحال خان خٹک تک کی شاعری شامل ہے ۔ خوشحال خان خٹک کے حوالے سے قاسم یعقوب لکھتے ہیں کہ "خوشحال خان خٹک کے ہاں رزمیہ آہنگ پوری شدومد کے ساتھ طلوع ہوتا ہے۔ وہ ایک شاعر اور مفکر کے ساتھ ساتھ جنگجو سپاہی بھی تھے۔ پہاڑوں کی بلند آہنگی اور سختی خوشحال خان خٹک کے شعری مزاج میں گندھے ہوئے جذبات کے ساتھ سامنے آتی ہے۔ خوشحال خان خٹک نے بذاتِ خود کئی لڑائیوں میں حصہ لیا۔ وہ مغل امپائر میں اپنے علاقے کے خاص معتمد تھے ۔ ایک قبیلے کے سردار اور مغل حکمرانوں منصب دار کی حیثیت سے ان کی شخصیت گہرے اثرات کی حامل تھی ۔ مغل منصب داری سے دستبرداری کے بعد انھوں نے عملی طور پر مغلوں کے خلاف صف آرائی کی۔ وہ انہی منظوم معرکہ آرائیوں میں مقامی سطح پر لڑی جانے والی جنگوں کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔(۳)

بہر کیف ہم دیکھتے ہیں کہ مزاحمت پشتو شاعری کا خاصہ رہی ہے۔ اور جابر وغاصب طبقات کے خلاف یہی مزاحمت ہے جسے بجاطور پر ترقی پسند رویے ہی کی ایک شکل قرار دیا جا سکتا ہے۔

پشتو ادب کے مطالعے سے یہ امر واضح ہو کر سامنے آتا ہے کہ اس میں ابتدا سے ہی پشتون قومی شعور حاوی رہا ہے جس کی بنیادی وجہ بیرونی حملہ آوروں کے خلاف صدیوں تک پشتونوں کا نبرد آزما ہونا ہے۔ یہ کبھی مغلوں کے خلاف، کبھی سکھوں کے خلاف تو کبھی انگریزو ں کے خلاف نبرد آزما نظر آتے ہیں۔ اس جدوجہد میں آپس کی قبائلی جنگیں بھی پہلو بہ پہلو نظر آتی ہیں ۔ پشتونوں کی آپس میں قبائلی آویزش اور چپقلش کے خلاف پشتون ادیبوں، دانشوروں اور شاعروں نے خوب لکھا ہے تاکہ وہ اپنے دشمنوں کے خلاف متحد ہو سکیں، ان کا

قومی تشخص ابھر کر سامنے آ سکے اور اسے مضبوط کیا جا سکے۔ خوشحال خان خٹک نے مختلف پشتون قبائل کی باہمی آویزش کو ختم کرنے اور انھیں ایک قوم کی صورت میں منظم و توانا کرنے کی کوششیں کی ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے ایک شعر کو علامہ اقبال نے اردو میں ترجمہ بھی کیا ہے جو کچھ یوں ہے۔

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم
کہ ہو، نام افغانیوں کا بلند

مغل بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر کے زمانے میں جب مغلوں اور پشتونوں کے درمیان ایک عوامی جنگ کی سی صورتحال پیدا ہوئی تو یہی خوشحال خان خٹک تھے جن کے ترانوں نے پشتونوں میں ایک نئی روح پھونک دی تھی۔ اس عوامی جنگ میں ان کے ترانوں کا بجا طور پر بڑا ہاتھ تھا جنھوں نے پشتونوں کے جذبہ حریت اور جذبہ قومیت کو مہمیز کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔

خوشحال خان خٹک کے بعد دوسرا بڑا نام رحمان بابا کا ہے۔ رحمان بابا کو تو سرکاری ذرائع ابلاغ نے محض ایک صوفی منش شاعر بنا کر پیش کیا ہے حالانکہ رحمان بابا کو صرف اس رنگ میں پیش کرنا انتہائی غلط بات ہے۔ یہ رویہ دراصل رحمان بابا کے اصل خیالات پر پردہ ڈالنے، ان کی گمراہ کن تفسیر و تاویل پیش کرنے کے لیے غالباً دانستہ طور پر اخیار کیا جاتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رحمان بابا خود اپنے علاقے کے خان تھے اور انھوں نے ابتدائی زندگی بڑے عیش و آسائش میں گزاری تھی۔ لیکن بعد میں خانی چھوڑ کر سادہ زندگی گزارنی شروع کر دی تھی اور درویشوں کی طرز اختیار کر لی تھی۔ "خانی" اس زمانے میں ظلم کا سمبل ہوتا تھا جو آج بھی ہے۔ رحمان بابا خان ضرور تھے لیکن وہ صاحبِ دل شاعر بھی تھے لہذا انھوں نے جب " خانی" کے ظلم کو قریب سے دیکھا اور اس نظام کی برائیوں کا مشاہدہ کیا تو انھوں نے " خانی" ترک کرنے کا فیصلہ کر لیا اور دنیا کے عیش و آسائش سے کنارہ کر کے درویشوں کی طرح سادہ زندگی گزارنے لگے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ " خان اور ملنگ ایک گاوں میں نہیں رہ سکتے " رحمان بابا کی شاعری میں خانی کے علاوہ دیگر سماجی مسائل کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظالم حاکم کی موجودگی میں گور، گھر اور پشاور شہر میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ یہ دراصل حاکم وقت کے ظلم کے خلاف ایک زبردست احتجاجی تحریک تھا جو رحمان بابا کی شاعری کی صورت میں سامنے آیا جسے عام طور پر صوفی شاعر بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ اسی طرح وہ غربت، افلاس

اور تمول کے فرق کو بھی انتہائی ناپسندیدہ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "اگر ایک آدمی کھانا کھا رہا ہے اور دوسرا اسے بھوکی نظروں سے دیکھ رہا ہے تو یوں سمجھو کہ وہ کھانا نہیں کھا رہا ہے بلکہ زہر کھا رہا ہے، کیونکہ بھوکے آدمی کی موجودگی میں کسی کا شکم سیر ہونا انتہائی نازیبا بات ہے۔

اسی طرح رحمان بابا نے "خودی" کا جو تصور پیش کیا ہے وہ انسان کی شخصیت کی تکمیل کی منزل ہے جسے بعد میں اقبال نے اپنایا ہے۔ عزت نفس رحمان بابا کے فلسفہء خودی کی بنیاد ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے گھر کی شکستہ چارپائی کسی خان کے رنگین تختِ خواب سے کہیں بہتر ہے "اور" زردار اگر سونے کے جام میں پینا پسند کرتے ہیں تو میرے لیے جام سفال اس سے کہیں افضل ہے "اسی طرح" اورنگ زیب اور شاہ جہان جیسے سلاطین منصور جیسے ایک ندّاف پر قربان کیے جاسکتے ہیں" اور پھر کہتے ہیں کہ " میں کامل عقیدے کی دھونی رمائے بیٹھا ہوں لیکن شاہ جہاں اور اورنگ زیب سے کہیں زیادہ متمول ہوں " کسی دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ "میں نے خرقہ کے نیچے قناعت کو پوشیدہ رکھا ہے بظاہر میں گدا لیکن حقیقت میں بادشاہ سے بھی بڑھ کر ہوں۔ "ہمارے محققین رحمان بابا کی شخصیت اور شاعری کے تمام پہلوؤں کو سامنے لا رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ہمارے ہاں ذرائع ابلاغ کی شدید کمی ہے اس لیے صورتحال کی تشہیر و اشاعت ہی نہیں ہو پاتی اور یکطرفہ طور پر سرکاری اداروں کی پھیلائی ہوئی تفسیریں ہی لوگوں تک پہنچتی ہیں جو کسی بھی زبان اور ادب کے ساتھ بڑا ظلم ہوتا ہے جس کی ہم مذمت کرتے ہیں۔ ترقی پسند ادیبوں بالخصوص اجمل خٹک، صنوبر حسین کاکاجی، ایوب صابر اور سلیم راز صاحب نے رحمان بابا کے صحیح افکار کو روشن تر کرنے میں کافی محنت کی ہے۔(۴)

رحمان بابا کے دیوان میں ایسے کئی ایک غزلیں اور اشعار ملتے ہیں جن سے ان کے بارے میں مذکورہ بالا رائے کی باآسانی تصدیق کی جاسکتی ہے۔ یہاں ہم ان کے دیوان سے کچھ اشعار بمعہ اردو ترجمہ پیش کریں گے۔

پشتو شعر

انسانیت سہ پہ دولت نہ دے رحمانہ

بت کہ جوڑ شی د سر وزر وانسان نہ دے

اردو ترجمہ:

انسانیت کا دولت سے کوئی تعلق نہیں رحمان

اگر سونے کا بت ڈھالا جائے تو اسے بہر حال انسان نہیں کہا جا سکتا

خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا کے بعد اور بھی متعدد پشتون شعرا کے ہاں ہمیں پشتو کی انقلابی عناصر نظر آتے ہیں۔ان میں عبدالحمید ماشوخیل، کاظم خان شیدا اور احمد شاہ ابدالی کے نام شامل ہیں۔

سید احمد شہید اور ان کے ساتھیوں کی سکھوں کے ساتھ ہونے والے معرکوں سے متعلق پشتو شاعری کی عوامی صنف چاربیتہ میں ہمیں اس دور کے چاربیتہ لکھنے والے ایک بڑے اور نمایاں شاعر نورہ دین کا ایک چاربیتہ ملتا ہے۔اس چاربیتہ میں زیدہ کے مقام پر سید احمد شہید اور اس وقت کے خوانین کے درمیان ہونے والی جنگ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔اس چاربیتہ میں حکومتِ وقت کو بے انصافی پر مبنی قرار دیا گیا ہے اور غریب عوام کے ساتھ ان کے ہاتھوں ہونے والی زیادتیوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔چاربیتہ کا کچھ حصہ بمع اردو ترجمہ کچھ یوں ہے؛

پشتو چاربیتہ

روان شہ یار محمد دامیر خان سرہ یارانو

توپونہ تلہ پہ گاڈوز نبورک پہ شترانو

بے عدلہ بادشاہی دہ غور ہی نشتہ دخوارانو

ڈیرہ شہ پہ نوخارستر گی ہی سرے وے لہ خمارہ

روان شہ یار محمد سید اوباسی لہ پنجتارہ (۵)

اردو ترجمہ

یار محمد خان امیر خان کے ساتھ روانہ ہو گیا ہے

توپ و تفنگ اور ہتھیار گاڑیوں پر لادے جا رہے ہیں

یہ بے عدل بادشاہی ہے جس میں غریبوں کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا

نوشہرہ میں پڑاو ڈالا ہے آنکھیں خمار سے سرخ ہیں

یار محمد روانہ ہو گیا ہے سید کو پنجتارہ سے نکال رہا ہے۔

ان معرکوں سے متعلق ہونے والی شاعری بالخصوص چار بیتوں میں بھی پشتو شاعری کے انقلابی عناصر دیکھے جاسکتے ہیں گو یہ اظہار ہمیں قدرے خفیف نظر آتا ہے۔ یہ اظہار اتنا توانا نہیں ہے جو اس سے قبل مغلوں یا پھر اس کے بعد انگریزوں کے دور میں ہمیں ملتا ہے۔ اس حوالے سے محمد حنیف رقمطراز ہیں کہ "سکھوں کے دور میں نوشہرہ کے جہاد کے امیر دوست محمد خان اور سکھوں کے درمیان ہونے والی جنگوں، اور غازی دلاسہ خان کے کارناموں پر بھی چار بیتے لکھے گئے۔ لیکن ان چار بیتوں میں ترقی پسند رنگ کچھ مدھم ہے جس کی وجہ ان چار بیتوں میں پشتون قبائل کی آپس کی جنگوں اور ہونے والی زیادتیوں کا بھی تذکرہ ہوا ہے ۔اس کے علاوہ سکھوں کی حکمرانی کے خلاف جو چار بیتے لکھے گئے ہیں ان میں بھی ترقی پسند عنصر معمولی سا دیکھا جا سکتا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ سکھ پشتون سرزمین پر اس طرح کی غاصب اور سامراجی حیثیت نہیں رکھتے تھے جتنی انگریزوں کی تھی۔اسی طرح سکھوں کا دور ۱۸۳۱عیسوی تا ۱۸۸۰عیسوی تک مختصر عرصہ یہاں محیط رہا جس میں پشتونوں کی طرف سے بہت زیادہ زوردار مزاحمت نظر نہیں آتی۔(۶)

گر ہم برطانوی عہد میں تخلیق ہونے والی پشتو شعری کا جائزہ لیں تو اس میں بھی ہمیں بھرپور مزاحمتی اور انقلابی عنصر ملتے ہیں۔اس عہد کے ایک پشتو لوبہ کی مثال بمعہ اردو ترجمے کے کچھ یوں ہے جس میں اس عہد کے استعماری مظالم کے ساتھ ساتھ پشتون سماج کے جاگیر دارنہ طبقاتی سماج کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ اس پر گہری چوٹ کی گئی ہے۔

پشتو لوبہ

د غم دلاسہ می پہ زڑہ باندے خفگان رازی

نوے طوفان رازی

یو د فیرنگ ظلمونہ

غټ خیټیو لا او سونہ

ہائے د غریب ژوندونہ

یو ستم تیر نہ وی چی بل پلہ آسمان رازی

نوے طوفان رازی

اردو ترجمہ

غم کے ہاتھوں میرے دل پر خفقان مسلط ہے

نیا طوفان آرہا ہے

ایک انگریز کا ظلم ہے

دوسرے ان توندوں والوں نے ہمیں جلایا

افسوس غریب کی زندگی

ایک ظلم ابھی ختم نہیں ہوتا کہ آسمان دوسرا توڑ دیتا ہے

نیا طوفان آرہا ہے(۷)

اس لوبہ کو بجا طور پر پشتو شاعری کے مزاحمتی اور انقلابی عناصر کے ارتقاء میں ایک نئی اور توانا آواز کہا جاسکتا ہے جو طبقاتی بنیادوں پر منقسم پرانی دنیا کو تبدیل کرنے کا عندیہ دیتی ہے۔

دراصل پشتو شاعری کے انقلابی عناصر کے خدوخال اس وقت زیادہ ابھر کر سامنے آئے جب برصغیر میں برطانوی راج کے خلاف تحریک چلی۔ اس کے اثرات پشتون سماج پر بھی پڑے اور اس زمانے کے صوبہ سرحد میں بھی کئی ایک سماجی وسیاسی تحریکوں کا آغاز ہوا جس نے پشتو ادب کو بھی ایک نئی جہت دی۔

اسی طرح خدائی خدمت گار تحریک اور سرخ پوش تحریک ۔ان تحریکوں کے اثرات ادب اور شاعری پر بھی پڑے۔ اس زمانے میں ایک شاعر خادم محمد اکبر کے نام سے مشہور ہوئے تھے، جن کا ایک شعر ہے کہ " آزادی کا ایک لمحہ خواہ نزاع کے عالم میں ہی کیوں نہ بسر ہو، غلامی کے سو سال سے افضل ہے ۔ اس زمانے میں برطانوی سامراج سے نجات حاصل کر کے قومی آزادی حاصل کرنے کی خواہش کی صورت میں ایک نیا عنصر ہماری شاعری میں داخل ہوتا ہے جس کے اثرات نئی نسل پر پڑے۔(۸)

بیسوی صدی کے اوائل میں وطن پرستی، حریت پسندی اور قومی یک جہتی کے فکری رجحان نے پشتو شاعری میں فروغ پاتے ہوئے شعرا اور شاعرات کو آزادی کے لیے وقف کرنے اور تحریک آزادی سے متعلق قومی تحریکوں میں شامل رہنے کی جانب مائل کیا

۔یہی حریت پسند شاعر اور شاعرات تھیں جنھوں نے برطانوی استعمار کے خلاف آزادی کے حق میں عوامی فضاہموار کی۔اس مزاحمت اور انقلابی رجزیوں کے گونج ایک شدت سے ابھری جسے انگریزوں حاکموں نے بخوبی محسوس کیا۔

حوالہ جات

۱۔ رضا ہمدانی، رزمیہ داستانیں، لوک ورثہ، اسلام آباد، ۱۹۸۱، ص:۵

۲۔ قاسم یعقوب، اردو شاعری پر جنگوں کے اثرات، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۵ ص:۸۳

۳۔ ایضاً، ص:۸۵

۴۔ جمیل مظہر، گفتگو، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۸۶، ص:۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸

۵۔ خلیل ہمیش، جنگی چار بیتے، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۸۶، ص:۲۸۰

۶۔ حنیف، محمد، پہ پختونخوا کی ترقی پسند تحریک او د پختو ترقی پسندی شاعری، غزنوی کتاب پلور نزئی، کوئٹہ، ۲۰۱۴، ص:۱۹۰، ۱۸۹

۷۔ ح۔ر۔ صاحبزادہ، پشتو لوک گیت (مضمون) مشمولہ اٹک کے اس پار، ص:۵۴۴

۸۔ جمیل مظہر، گفتگو، مکتبہ دانیال کراچی، ۱۹۸۶، ص:۲۸۱